اسلام کا اقتصادی نظام

از مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی

وظائف اسلامی حکومت پر "اقتصادی نظام" میں بلاواسطہ جو ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں اُس کی دوسری قسم "وظائف" ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ قوم و ملت کے افراد کی معاشی زندگی کا تکفل ایک بڑی حد تک حکومت (اسٹیٹ) کو کرنا چاہیے، تاکہ قوم کا ہر فرد اپنی دماغی اور عملی محنت کے ذریعہ ملک و ملت کی کی فلاح و بہبود میں مصروف ہو اور فارغ البال ہو کر جماعتی استحکام کے لیے بہترین اور کارآمد "پرزہ" بن سکے۔ گویا اس طرح اُس کی زندگی کا بڑا حصہ خلافت، حکومت یا ملک و ملت کے لیے وقف ہو جائے، اور حکومت و خلافت اُس کی اور اُس کے اہل و عیال کی ذمہ داری اپنے سر لے، اور کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ رہے جو اس "نظام" سے الگ رہ کر متاع زندگی سے محروم ہو جائے۔ اس سے ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ قوم و ملت کی جماعتی ترقی و فلاح کا اثر خود افرادِ قوم پر پڑیگا، اور ہر فرد ملت نہ صرف اپنی معاشی زندگی میں بلکہ زندگی کے ہر پہلو اور ہر گوشہ میں اپنی اپنی استعدادِ طبعی کے مطابق بہرہ مند اور فیضیاب ہو سکیگا، اور یہی اقتصادی نظام کا سب سے بڑا مقصد ہے۔

فلما کثرت الاموال فی ایام عمر وضع الدیوان فرض الرواتب للعمال والقضاۃ ومنع ادخار المال وحرم علی المسلمین اقتناء الضیاع والزراعۃ

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حکومت میں مال کی بہتات ہو گئی اور اعداد و شمار کے رجسٹر مرتب ہو گئے تو عمال حکومت گورنروں، قاضیوں وغیرہ کے مشاہرے مقرر کر دیئے گئے اور مال و خزانے جمع کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور مسلمانوں

او المزارعة لان ارزاقهم وارزاق عيالهم تدفع لهم من بيت المال حتى الى عبيدهم ومواليهم، اراد بذلك ان تبقوا جندًا على اهبة الرحيل لا يمنعهم انتظار الزرع ولا يقعد هم الترف والقصف الخ

(نظام العالم والامم جزء ثانی للطنطاوی و کتاب الاموال لابی عبید)

پر جاندادوں سے انتفاع، اور کاشتکاری و زمینداری حرام کردی گئی، اس لیے کہ اُن کے اور اُن کے اہل و عیال کے روزینے بیت المال سے مقرر کردیے گئے تھے بلکہ اُن کے غلاموں اور آزاد شدہ غلاموں کے بھی۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ تمام قوم عسکری بن جائے اور اس طرح کوچ کے لیے چست و چالاک رہیں کہ اُن کے سفر کے سامنے نہ زمینداری مانع آئے نہ کاشتکاری، اور یہ کہ وہ بے محنت کی زندگی اور عیش و عشرت میں نہ پڑ جائیں۔

ممکن ہے کہ یہاں یہ شبہ پیدا ہو کہ اگر تمام رعایا کاشتکاری اور زمینداری دونوں سے محروم کردی جائے تو پھر خام اجناس کی پیداوار اس ملک میں کیسے ہوگی اور جس ملک میں خام اجناس کی پیداوار نہ ہو وہ کس طرح اپنی اقتصادی حالت کو برقرار رکھ سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حکم کا مقصد یہ نہ تھا کہ ہمیشہ کے لیے یہ حکم یکسانیت کے ساتھ قائم رکھا جائیگا بلکہ اس حکم سے (جیسا کہ خود عبارت مذکورہ بالا میں درج ہے) مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرنا تھا کہ "مسلم اسٹیٹ" کے قیام اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی خاطر "خلافت" کے نظام کے لیے از بس ضروری ہے کہ تمام افراد قوم یہ یقین کریں کہ اُن کی زندگی اجتماعی نظام کی زندگی ہے، اور اُن کے قویٰ عملی خود اپنے لیے نہیں ہیں بلکہ جماعت کی خدمت یا مسلم اسٹیٹ کے استحکام کے لیے ہیں۔ اور اُن کی معاشی زندگی کے لیے بڑی حد تک خلافت (اسٹیٹ) خود متکفل ہے، نیز یہ کہ زمینداری سسٹم چونکہ عیش پسندی، دوسروں کی محنت پر بھروسہ، اور کاہلی و بیکاری کی دعوت دیتا ہے۔ اس لیے بھی مسلمانوں کو اس سے جُدا رکھنا بہت ضروری ہوا۔

چونکہ یہ خدمت اس زمانہ میں مفتوح ممالک کے وہ تمام ذمی انجام دیتے تھے جو اسلام کی

حکومت کے زیر سایہ رہنا تو قبول کر لیتے تھے لیکن اسلام اُن پر اپنے اقتصادی یا سیاسی نظام کو زبردستی ٹھونسنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ اور اس طرح خام اجناس وغیرہ ضروریات کی بہم رسانی کا یہ بہترین ذریعہ حاصل تھا۔ لہٰذا اس وقت کے مناسب یہی حکم تھا کہ مسلمان قطعاً زمین سے کوئی تعلق نہ رکھیں لیکن جب معاملہ کی یہ نوعیت باقی نہ رہے تو پھر اس شجر ممنوعہ کی اُسی حد تک اجازت باقی رہیگی کہ جس سے اصل مقصد کسی طرح فوت نہ ہونے پائے۔

بہرنوع فاروق اعظم کے فرمان ذیشان سے یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ "اسلامی اسٹیٹ" انفرادی ملکیت کو تسلیم کرنے کے باوجود افراد قومی کی معاشی زندگی کا تکفل بڑی حد تک اسٹیٹ ہی کے سپرد کرتی، اور افراد کی عملی زندگی سے اجتماعی و قومی خدمت کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور اُن کے اس معاشی تکفل کو اپنی اصطلاح میں "وظائف" کے نام سے تعبیر کرتی ہے۔

بیت المال یا خزانۂ سرکاری اور اس مقصد کے پورا کرنے کے لیے اُس نے ضروری قرار دیا ہے کہ خلافت یا اسٹیٹ کا ایک ایسا محفوظ خزانہ ہو جس میں ملک کے مختلف ذرائع آمدنی سے "رقوم" حاصل اور جمع ہوئی ہوں۔ اور اُس نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ وہ خلیفہ، یا اُس کے عمال یا ان دونوں کے علاوہ کسی خاص طبقہ کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ خدا کے نام پر اُس کا عنوان "الوقف للہ" قائم کرتے ہوئے اُس کی ملکیت کا حق جمہور کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے، اور خلیفہ یا عمال خلیفہ کا یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ جمہور کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے یہ باستصواب "مجلس شوریٰ" جمہور کی مشترکہ ضروریات اور اُن کی اجتماعی فلاح و بہبود اور پبلک مفاد پر اُس کو صرف کرے یا مقتضیاتِ وقت و زمانہ کے اعتبار سے افراد قوم کی شخصی و انفرادی حاجات پر خرچ کرے۔

ہو سکتا ہے کہ یہاں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر اس طرح انفرادی و شخصی وظائف کا سسٹم جاری ہو جائے تو اُس ملک میں تمام افراد تجارت، صنعت و حرفت اور دوسرے ذرائع کسب و اکتساب سے محروم رہجائینگے

حالانکہ یہی امور کسی ملک کی اقتصادی بہبودی اور ترقی کی جان و روح ہیں۔

لیکن یہ خیال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس وقت ہم اسلام کے بتائے ہوئے اقتصادی نظام کی تمام کڑیوں کو بیان کر رہے ہیں لیکن یہ تفصیل کہ اس نقشہ کے تمام خانے اپنی اپنی جگہ پر ایسی طرح فٹ کر دیے جائیں کہ تمام نقشہ مکمل سامنے آجائے سو اس کے لیے انتظار ضروری ہے۔

مناسب یہی ہے کہ اول اس نظام کی ہر ایک کڑی اور ہر ایک خانہ کو جدا جدا سامنے لایا جائے اور پھر آخر میں ان تمام کڑیوں اور خانوں کو جوڑ کر یہ بتایا جائے کہ اسلام نے جس "سوسائٹی" اور جس جمہوریت کی تعلیم دی ہے اُس کا اقتصادی و تمدنی مکمل خاکہ اور نقشہ یہ ہے۔

انفرادی ملکیت کی تحدید اسلام لوگوں کو ذاتی ملکیت سے نہیں روکتا، اور وہ ایسے "اقتصادی نظام" کو تسلیم نہیں کرتا، جس میں اشخاص و افراد کو اشیاء منقولہ کے علاوہ زمین اور ذرائع پیداوار پر کسی حیثیت اور کسی حالت میں بھی حق ملکیت حاصل نہ ہو، اور وہ اس طریق کار کو "غیر فطری" اور ایسے نظام کو ناقص اور "غیر مطمئن نظام" سمجھتا ہے۔

یقین اور تجربہ کی روشنی میں یہ اسلامی نظریہ صحیح اور درست ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل دوسرے اقتصادی نظام کے مقابلہ کے وقت انشاء اللہ بیان ہوگی۔ اسی لیے قرآن عزیز نے جن جن مقامات پر انفاق اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اُن میں افراد و اشخاص کی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے ترغیب دی ہے۔

وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ	اور اس نے مال کو باوجود اس کی محبت کے رشتہ داروں،
والیتمٰی والمسٰکین وابن السبیل	یتیموں، محتاجوں، مسافروں، مانگنے والوں کو اور
والسائلین وفی الرقاب	گردنوں کو آزاد کرانے (یعنی غلام آزاد کرانے یا قیدی کو رہا
(۲:۱۷۷)	کرانے یا مقروض کو قرض سے نجات دلانے کے لیے) دیا۔

وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (۱۹/۵۱) اور اُن کے مالوں میں سائلوں اور تنگدستوں کا حق ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا انفقوا مما رزقنٰکم (۲/۲۵۵) اے ایمان والو جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اُس کو خرچ کرو۔

یہ اور ان جیسی دوسری تمام آیات ہیں اُس نے انفرادی ملکیت کو تسلیم کرنے ہیں اشیا منقولہ وغیر منقولہ یا ذرائع پیداوار میں سے کسی کی کوئی تخصیص نہیں کی اور ان میں سے کسی کے درمیان بحیثیت "نفس ملکیت" کوئی فرق نہیں بیان کیا۔

تاہم وہ ذاتی ملکیت کے اصول کو تسلیم کرنے کے باوجود اُس کی تحدید ضرور کرنا چاہتا ہے، اور اُس ملکیت میں اس قسم کی وسعت دینا ہرگز پسند نہیں کرتا جس کی بدولت اُس کے اقتصادی نظام کی بیان کردہ اساس و بنیاد پر زد پڑے اور اُس کا مقصد اصلی فوت ہو جائے۔ اسی بنا پر اس قسم کی تمام اشیا کے بارہ میں اصل و بنیاد کے طور پر یہ حکم دیتا ہے کہ وہ "مباح الاصل" ہیں۔ یعنی وہ کسی کی ذاتی و شخصی ملک نہیں ہیں بلکہ خالقِ کائنات نے اُن کو تمام افرادِ انسانی کے لیے یکساں طور پر فائدہ اُٹھانے کے لیے مخلوق کیا ہے

هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا۔ خدائے تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہارے ہی لیے وہ سب کچھ پیدا کیا ہے جو زمین میں موجود ہے

اس کے بعد پھر تخصیص کا سوال پیدا ہوتا ہے اور بمصداق القرآن یفسر بعضہ بعضاً (قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تفسیر کرتا ہے) دوسری آیات قرآنی، احادیث نبوی اور روایات فقہی اس اذن عام کی تشریح یا تخصیص کرتے ہیں۔

ان ہی تشریحات و تخصیصات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام نے اپنے نظام میں ہمیشہ کے لیے بعض اشیا کو عام فائدہ کے لیے مباح قرار دیا ہے اور اس لیے اپنے مقام وقوع میں وہ کسی کی بھی ذاتی ملکیت نہیں ہیں، اور ہر فرد کو اس سے یکساں طور پر فائدہ اٹھانے کا حق ہے اور اُن میں سے وہ اسی مقدار کا مالک سمجھا جاتا ہے جس قدر اُس نے اپنی ذاتی ضرورت کے لیے حاصل کر لیا ہے۔

اور ملکیت کے اعتبار سے ہر شخص کے لیے "مفاد عامہ" کی صورت میں قابل استعمال رہینگی اور یا پھر خلافت (اسٹیٹ) کا حق ہوگا کہ وہ مفاد عامہ کو عملاً کامیاب بنانے کے لیے ان کو اپنے ہاتھوں میں لے، اُن کی درآمد کا انتظام کرے، اور اسٹیٹ کی ملکیت کے نام پر اُن میں "اقتصادی نظام" کی بہتری کے لیے مناسب تصرف کرے۔ اور کسی کو یہ حق نہ ہوگا کہ "مفاد عامہ" کے خلاف وہ تنہا یا چند خاص افراد اُس کو اس طرح اپنے قبضہ و تصرف میں لائیں کہ حکومت کے مقررہ منافع کو ادا کرنے کے بعد باقی سب اُن کی ملکیت قرار پا جائے اور اس طرح وہ "مذموم سرمایہ داری" کے مالک بن بیٹھیں۔ اس سلسلہ میں پہلی چیز "معدنیات" ہیں۔

کانیں

عن ابیض بن حمال المآربی انہ وفد الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاستقطعہ الملح الذی بمارب فاقطعہ ایاہ فلما ولی قال رجل یا رسول اللّٰہ لما اقطعتہ لہ الماء العد قال فرجعہ منہ

ابیض مآربی کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مآرب میں جو نمک کی جھیل تھی اُس کو (مربعہ) کے طور پر مانگا، آپ نے اجازت دیدی، ایک شخص نے یہ دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ آپ نمک کا خزانہ کیوں اس کے حوالہ کیے دیتے ہیں۔ آپ نے اُسکی اصل حقیقت سے آگاہی کے بعد واپس لے لیا اور دینے سے انکار فرمادیا۔

شارحین حدیث نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "کانیں" دو قسم پر تقسیم ہیں، ایک وہ جن کا مادہ (میٹیریل) ظاہر موجود ہو اور اُن کے لیے کھودنے، برآمد کرنے کی زحمت نہ اُٹھانی پڑی دوسری وہ جو کھودنے برآمد کرنے کی محتاج ہوں اور اُن کے لیے محنت و سرمایہ خرچ کرنے کی ضرورت ہو۔

پہلی قسم کی کانوں کے بارہ میں اسلام اجازت نہیں دیتا کہ کسی حال میں بھی "خلیفہ" اُن کو کسی شخص واحد یا مخصوص جماعت کی ملکیت یا اجارہ داری میں دیدے بلکہ لوگوں کی ضروریات کے لیے عام اور "مفت" افادہ کے چھوڑتا، اور اُن پر خلافت (اسٹیٹ) کی نگرانی قائم کرتا ہے۔ اور دوسری قسم کی

کانوں میں اگرچہ "اجازت" کا پہلو نکلتا ہے مگر اُس کو بھی خلیفہ اور مجلس شوریٰ کی صوابدید پر موقوف رکھا گیا ہے۔ یعنی کانوں سے متعلق مسئلہ کی روح اسلامی اقتصادی نظام میں یہ ہے کہ یہ دراصل مفادِ عام کے لیے ہیں، اور قدرت نے اپنی اس عطا و بخشش کو تمام انسانوں کی مشترک فلاح و بہبود کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہذا دراصل اُن کو خلافت کی اصطلاحی ملکیت میں ہونا چاہیے اور پبلک کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے خلیفہ اور اُس کی مجلس شوریٰ اُن کی جانب سے مفادِ عام کے لیے ان میں تصرف کے مجاز ہیں۔ اور اسلام ان کے لیے کسی شخص واحد یا مخصوص جماعت کی ایسی "ملکیت" یا "اجارہ داری" کو پسند نہیں کرتا کہ جس کی بدولت یہ "مفادِ عام" کے خلاف متعلقہ افراد کے لیے مذموم "سرمایہ داری" کا آلہ بن سکیں۔ ہاں اگر دوسری قسم کی معدنیات کی برآمد کے اخراجات میں خلافت کے بیت المال کی دشواریوں، یا ملکی اقتصادی بدحالی، یا حاصل کرنے والے کے مخصوص حالات کے پیش نظر ان کو بطور عطیہ یا اجارہ داری کے "خلیفہ" یا اسٹیٹ دینا چاہے تو دے سکتا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ عطا، یا اجارہ داری مذموم سرمایہ داری کی ممانعت اور "مفادِ عام کی مضرت کے تحفظ" کے مقصدِ عظمیٰ کے منافی نہ ہو۔ کیونکہ الفاظ حدیث "لما اقطعت له الماء العد قال فرجعه منه" کی روح ہم کو اس کی راہنمائی کرتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ "معدنیات" کو اقتصادی نظام میں خلافت (حکومت) کی ملک ہونا چاہیے اور اُن کو کسی حال میں بھی سرمایہ داری کے لیے آلہ اور ذریعہ نہ بننا چاہیے۔ اور کسی کو یہ حق نہ ہونا چاہیے کہ عطیہ یا اجارہ داری کے نام سے اُن پر قبضہ و تصرف کرنے اور ان اشیاء کی ارزانی و گرانی یا بازار میں وجود و عدم کا معاملہ، اُن کے اور صرف اُن کے ہاتھ میں مقید، اور اُن کے رحم و کرم پر منحصر ہو کر رہ جائے، اور اس کی بدولت "مفادِ عامہ" تباہ و برباد ہو جائے۔

نمک کی طرح چاندی، سونا، لوہا، کوئلہ، پٹرول وغیرہ کی کانوں کا بھی یہی حکم ہے تو موجودہ ملک کے اقتصادی نظام میں ان کانوں کو بہت بڑا دخل ہے۔

کون نہیں جانتا کہ اسٹیمر، ریلوے، دخانی جہاز، ہوائی جہاز، موٹر، شہر کی روشنی وغیرہ جیسے اہم کاروبار بغیر کوئلہ، پٹرول، لوہا، پیتل کے نہیں چل سکتے۔ چاندی، سونا اور تانبا زیورات وظروف کے علاوہ سرکاری سکہ جات کے فروغ، اور تجارتی کاروبار کی ترقی کے لیے کس قدر اہم ہیں، سب کو معلوم ہے اگر کسی اقتصادی نظام میں قدرت کی بخشی ہوئی یہ "دولت" ایک یا چند خاص افراد کے ہاتھ میں دے دی جائے اور حکومت اور اُن کے درمیان اس سرمایہ داری کی تقسیم "اجارہ داری" کے نام سے کردی جائے تو ظاہر ہے کہ ملک کی باقی آبادی اُس کے انتفاع سے بڑی حدتک محروم رہجائیگی، اور یقیناً اس راہ سے ایک خاص جماعت میں "دولۃ بین الاغنیاء" اور "یکنزون الذھب والفضۃ" کا منظر نظر آنے لگیگا۔

اور جس زمانہ اور دور میں بھی اس اصول کے خلاف ان کانوں کو کسی ملی یا وطنی حکومت نے اجارہ داری کے سسٹم پر چلانے کی سعی کی اُس کو نہ صرف اپنے اقتصادی نظام میں شدید نقصان اُٹھانا پڑا بلکہ نفس اصول سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اجنبی اجارہ داروں نے اُس ملت و قوم کو تباہ کرنے اور غلامی کی لعنت میں گرفتار کرنے کا بہترین ذریعہ اس کو بنایا اور صدیوں تک اُس کو اُن سے نجات نہ مل سکی۔ ہندوستان مصر، عراق، ایران عہد جدید میں، اور امریکہ وسطی یورپ عہد قدیم میں اسی غلط روی کا شکار ہوچکے ہیں، اور اس زمانہ میں یورپ و ایشیا کی حکومتوں کے بیشتر کاروبار کا معاملہ اسی قسم کے مٹھی بھر انسانوں کے رحم و کرم پر چل رہے ہیں، اور اقتصادی خوشحالی و بدحالی حتیٰ کہ ملکوں کے عروج و زوال ان ہی خود غرض اور حریص سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں کٹ پتلی کی طرح حرکت کرتے نظر آتے ہیں۔

منڈیوں میں ارزانی گرانی، سکوں کے طلائی و نقرئی معیار، درآمد و برآمد کے معاہدات پر ان ہی کا قبضہ و تسلط ہے۔ اور حکومتوں نے اپنے جابرانہ و قاہرانہ استعماریت کی طمع اور لالچ میں مفاد عامہ کو ان کے ہاتھوں تباہ و برباد کرنے کے لیے چھوڑ دیا ہے، اور اگر تاریخ کی شہادت غلط نہیں ہے تو بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ان مہاجنوں کی اس دست و بُرد کی ابتدا اسی قسم کی اجارہ داری اور ملکیت کی رہین منت ہے۔

اسلام اس قسم کی عام بدحالی کو اپنے نظام میں کسی طرح برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اس لیے وہ شروع ہی سے اس کا استیصال ضروری سمجھتا ہے اور اس کی صورت صرف یہی ہے کہ "معدنیات" کے معاملہ کو اشخاص و افراد کی مصالح کے مقابلہ میں "جماعتی مصالح" کے لیے ضروری اور لازمی قرار دے۔

اجارہ داری کی کمپنیاں معدنیات سے متعلق اجارہ داری کا معاملہ عموماً کمپنی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، اور ملک کا وہ بہترین سرمایہ جو زیادہ سے زیادہ انسانوں بلکہ حکومت کی تمام آبادی کے لیے مفید اور نفع بخش ثابت ہو سکتا تھا اس طرح مخصوص افراد کے اندر محدود ہو جاتا، اور آخر کار عام بدحالی کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

عہد جدید و قدیم میں جس ملک میں بھی اس قسم کی اجارہ داری پائی جاتی ہے اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی بدولت کارخانہ دار اور مزدور یا سرمایہ اور محنت کے درمیان جنگ و جدل کا میدان کارزار گرم ہو گیا ہے، اور بعض اوقات حکومتوں کی تباہی و بربادی پر ختم ہوا ہے، کارل مارکس کا نظریۂ اشتراکیت، اس کا رہینِ منت ہے اور روس کا دورِ اشتراکیت اس کی جدید پیداوار۔ پس اگر معدنیات کے لیے کمپنی اور شیرز (حصّوں) کا یہ حرص انگیز سسٹم بطور "اصول" اور تجارتی بنیاد کے تسلیم نہ کر لیا جاتا۔ اور ان امور کو "مفاد عامہ" کے اصول کے پیشِ نظر حکومت کے اختیارات مجازی کے سپرد کر دیا جاتا تو افراط و تفریط کی راہ سے الگ اُسی اعتدال کی راہ پیدا ہو جاتی جس کی طرف اسلام نے اپنے نظام میں توجہ دلائی ہے۔

وہ ایسی کمپنیوں کی حوصلہ افزائی کو نبار نہیں ہے اور بعض مخصوص حالات میں عطیہ، یا اجارہ داری کے جواز و اباحت کی شکل میں بھی اس "بنیادی اصول" کو فراموش کرنا نہیں چاہتا جس سے مفاد عامہ خطرہ سے محفوظ رہے، اور مذموم سرمایہ داری کو سر اُٹھانے کے لیے بہانہ ہاتھ نہ آجائے، کیونکہ اس قسم کی کمپنیاں جب اپنے تجارتی نظام کو وسیع کرنے کے لیے بین الاقوامی حالات پر نگاہ ڈالتی ہیں تو اپنے خصوصی

مفاد کے پیشِ نظر عام افادہ اور عام لوگوں کے نفع سے آنکھ بند کر کے ملک اور حکومت کے تمام سیاسی، اقتصادی، معاشرتی رجحانات کو اُسی ایک رُخ پر پھیرنے کی سعی کرتی ہیں جن سے اُن کا ذاتی مقصد فروغ پا سکتا ہے خواہ اس کی بدولت ملک کی عام حالت یا انسانوں کی عام زندگی خطرہ ہی میں کیوں نہ پڑ جائے اور یہی وہ کیڑا ہے جو اگرچہ اپنی ابتدائی شکل میں نہایت حسین، بہت دلچسپ، بہت مفید اور ترقی پسند نظر آتا ہے لیکن اندر ہی اندر گھن کی طرح اقتصادی بدحالی، عام بےچینی بلکہ خدا کی بہت بڑی مخلوق کو غلامی کے گڑھے میں ڈال کر کھوکھلا بنا دیتا، اور موت کی نیند سُلا دیتا ہے۔

آپ شاید میری اس گزارش کو حیرت سے دیکھیں کیونکہ جدید ترقی پذیر دنیا نے تو کمپنیوں کے اس سسٹم ہی سے ترقی اور اقتصادی سربلندی حاصل کی ہے لیکن اگر فلسفۂ اجتماع اور انسانی نشو و ارتقاء کے مقصد عظیم "اخوت عامہ" کے پیش نظر باریک بینی سے مطالعہ کریں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ سب دھوکا اور فریب ہے۔

اسی سسٹم نے قوموں کی باہم عداوت، اور استحصال بالجبر کی بنیاد ڈالی، اُس نے خود اپنے ملک کی عام آبادی کو چند مخصوص سرمایہ داروں کا غلام بنا کر تباہ کر دیا، اور اس نے "اقتصادی ترقی" کے نام سے دنیا کے ہر گوشہ میں بے اطمینانی، خود غرضی اور حسین و خوبصورت ڈاکہ زنی کو عام کر دیا ہے۔ اور اگر ان اشیاء کو "مفاد عامہ" کی ملک قرار دیا جاتا اور اسی مقصد کے اندر محدود رہ کر حکومت ان کا انتظام کرتی، یا پبلک کے افراد کے ذریعہ ان کو فروغ دیتی تو یہ صورت حال کبھی پیدا نہ ہوتی، اور ملک میں ایک عام متوسط زندگی کا دور رہتا، اور اطمینان کی زندگی نصیب ہوتی۔

اور قطعاً مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ کانوں (معادن) سے متعلق اگر یہ اقتصادی "نظریہ" تسلیم کر لیا جائے تو نہ صرف پبلک میں عام متوسط زندگی کا دور پیدا ہو جائیگا بلکہ اس طرح ملک کی خوشحالی تجارت کی فراوانی، زراعت کی ترقی کے لیے زیادہ سے زیادہ "ذرائع" مہیا ہو جائینگے۔

مثلاً جب پٹرول کی کانیں ملک میں برآمد ہوں اور اجارہ داری سسٹم کی کمپنیوں کی بجائے خود حکومت کی سرکاری کمپنی اُس کی برآمد کا انتظام کرے، تو ظاہر ہے کہ درمیانی ایجنٹ کی من مانی زیادہ ستانی سے اُس کی قیمت میں موجودہ دور کی طرح ناقابل برداشت گرانی نہیں ہوسکیگی اور اس طرح اُس کا فائدہ صرف مخصوص سرمایہ داروں (پونجی داروں) ہی تک محدود نہ رہیگا بلکہ عام اور متوسط طبقہ بھی اُس میں شریک ہوسکیگا۔ اسی طرح چاندی، سونا اور لوہا، تانبا، پیتل وغیرہ کی ارزانی سے سکہ کا "معیار" بھی بلند ہوسکیگا کہ جس پر ملک کی بہتری کا بہت کچھ مدار رہے، اور استعمال کے لیے بھی اُس کا فائدہ عام ہوجائیگا۔

کیا کوئی کاروباری آدمی اس کا انکار کرسکتا ہے کہ اگر آج "کوئلہ" درمیانی کمپنیوں کے ذاتی منافع کے شکار سے نکل کر براہ راست خود اپنی حکومت کے ہاتھوں ملک تک پہنچے تو ضروریات کی ہزاروں اشیاء کہ جن کی ارزانی وگرانی کا مدار کوئلہ کی ارزانی وگرانی پر ہے اس قدر ارزاں ہوجائیں کہ دولتمندوں اور امراء اور رؤسار کی طرح عوام اور متوسط بھی اُن اشیاء سے بڑی حد تک فائدہ اُٹھا سکینگے۔

جہازوں اور ریلوے کے ٹکٹ و محصولات آلات حمل ونقل کی فراوانی وغیرہ اس ترقی کے دور میں بڑی حد تک "اسٹیم" اور ایک قسم کی بجلی کی قدر وقیمت کے ساتھ وابستہ ہیں اور اسٹیم، بجلی کا وجود کوئلہ پر موقوف ہے۔ پس اگر کوئلہ ارزاں ہے تو اُس کا اثر مذکورہ بالا تمام اشیاء پر پڑتا ہے اور اگر گراں ہے تب یہ تمام اشیاء پر موثر ہے۔

لہذا اقتصادی نظام کے مسطورہ بالا نظریہ کا یہ پہلو اس قدر واضح اور صاف ہے کہ کوئی صاحب عقل وخرد اس کی برتری کا انکار نہیں کرسکتا۔

یہ تمام تفصیل اُن معادن کے بارہ میں کی گئی جن کی برآمد میں سخت محنت اور سرمایہ کا دخل ضروری اور لازمی ہے لیکن ایسی کانیں کہ جن کی برآمدگی میں صرف نقل وحمل ہی درکار رہے اور بس،

جیسا کہ سمندری نمک، یا بعض پتھروں اور دھاتوں کی ایسی کانیں جو شکم زمین کے علاوہ سطح زمین پر بھی اپنا توشہ رکھتی ہیں تو اسلامی اقتصادی نظام اس کو جائز رکھتا ہے کہ حکومت کے نظم و انتظام کے باوجود ان اشیاء کو اپنی ذاتی ضرورت کے لیے ہر شخص حسب حاجت مفت استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اور حکومت کے لیے روا نہیں ہے کہ اس افادہ پر کسی قسم کے ٹیکس کی پابندی عائد کرے۔ البتہ حکومت ان کے جس قدر حصہ کی برآمد اپنے نظم و انتظام سے انجام دے اُس پر اُس کو محصول و قیمت دونوں طریق کار کو اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ (باقی)

قرآن شریف کی مکمل ڈکشنری

"مصباح الفرقان فی لغات القرآن" اُردو میں سب سے پہلی کتاب ہے جس میں قرآنِ مجید کے تمام لفظوں کو بہت ہی سہل ترتیب کے ساتھ اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ پہلے خانہ میں لفظ، دوسرے میں معنی اور تیسرے خانہ میں لفظوں سے متعلق ضروری تشریح، اسی کے ساتھ بعض ضروری اہم اور مفید باتیں درج کی گئی ہیں۔ مثلاً انبیائے کرام کے نام جہاں جہاں آئے ہیں اُن کے حالات بیان کیے گئے ہیں، یہ کہنا بے مبالغہ ہے کہ لغت قرآن کی تشریح کے سلسلہ میں اُردو زبان میں اب تک ایسی کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی۔ کتاب عام پڑھے لکھے مسلمانوں کے علاوہ طلباء اور انگریزی داں اصحاب کے لیے خاص طور پر مفید ہے۔ کتابت و طباعت عمدہ، بڑا سائز، اصل قیمت ؏ رعایتی للعہ، خریداران برہان سے تین روپے بارہ آنے (۱۲/۳)

ملنے کا پتہ:- منیجر مکتبہ برہان قرولباغ نئی دہلی